حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، دامت برکاتہم
نائب رئیس ـــــــ جامعہ دارالعلوم کراچی

یادیں

(چودہویں قسط)

۱۹۵۵ء اور ۱۹۵۶ء کے کچھ واقعات

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی جہد مسلسل سے عبارت تھی۔ وہ پاکستان آنے کے بعد ہمہ تن اس فکر میں تھے کہ پاکستان اپنے اصل مقصد وجود یعنی نفاذ اسلام کا ایک دلکش نمونہ بنے۔ چنانچہ ملک میں ایسا دستور نافذ ہو جو اسلامی تعلیمات کا آئینہ دار ہو۔ چنانچہ اس سلسلے میں ملک کے سیکولر حلقوں سے ان کا پیہم مقابلہ رہتا تھا۔ دوسری طرف دارالعلوم کی تدریسی اور انتظامی ذمہ داریاں مستقل وقت چاہتی تھیں۔ فتویٰ نویسی کا سلسلہ الگ تھا جو کسی حال بند نہیں ہوا۔ مسجد باب الاسلام میں فجر کے بعد درس قرآن کا معمول کبھی قضا نہیں ہوا، اور بعد میں معارف القرآن کے نام سے ریڈیو پاکستان پر ہر جمعہ کو آپ کا درس الگ ہوتا تھا۔ ملکی ضروریات کے مطابق تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ تصوف وسلوک میں حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی جو امانت آپ کے پاس تھی، اُسے دوسروں تک پہنچانے کیلئے ہر اتوار کو اصلاحی مجلس منعقد فرماتے تھے، اور طالبانِ سلوک کی ڈاک الگ ایک مستقل کام تھا۔ خاندانی مسائل اس کے علاوہ تھے۔ اور ان تمام امور کیلئے سفروں کی مصروفیت بھی بکثرت رہتی تھی۔

لیکن ۱۹۵۵ء اور ۱۹۵۶ء خاص طور پر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیلئے طرح طرح کے مسائل لیکر آئے تھے اور اس میں بڑے بڑے اہم واقعات پیش آئے جن کا الگ الگ ذکر کرنا مناسب ہے۔

دستور پاکستان کی جدوجہد

ایک طرف جس دستور کی تیاری میں شب وروز کھپائے ہوئے تھے، وہ آخری مراحل میں تھا، اور اسے بہتر سے بہتر بنانے کیلئے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے متعلقہ ذمہ داروں سے ملاقاتوں اور گفتگو کا

مستقل سلسلہ جاری کر رکھا تھا۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پاکستان آنے کے بعد پہلے تین ماہ میں حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب اور ڈاکٹر حمید اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہما کے ساتھ مل کر ایک دستوری خاکہ مرتب کیا تھا۔ پھر پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے بورڈ تعلیمات اسلامیہ کے نام سے ایک ادارہ اسمبلی سے ملحق کیا جو حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت میں کام کر رہا تھا، اور حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اُسکے رکن رکین تھے۔ چونکہ ملک میں شروع سے ایک طبقہ ایسا تھا جو ملک کو اسلامی شناخت دینے پر کسی طرح راضی نہیں تھا، اور ملک میں لادینی دستور لانا چاہتا تھا، اس لئے اسی طرح ایک پروپیگنڈا یہ تھا کہ مسلمانوں کے بہت سے فرقے ہیں، اور وہ کبھی ایک نظام دستور پر متفق نہیں ہو سکتے۔ اس کے جواب میں علماء کرام نے یہ طے کیا کہ تمام مکاتب فکر کے علماء مل کر اسلامی دستور کی بنیادیں متفقہ طور پر طے کریں۔ اس کیلئے حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے علماء کے تعاون سے ۳۳ رعلماء کا ایک اجتماع منعقد کیا جن میں دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اور شیعہ علماء جمع ہوئے، اور انہوں نے دستور پاکستان کیلئے متفق ہو کر ۲۲ رنکات منظور کئے، جو ملک کی دینی سیاسی جدوجہد میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پھر جب دستور کے بارے میں حکومت کی طرف سے ناظم الدین رپورٹ کی سفارشات پیش ہوئیں، تو ان پر غور کے لئے دوبارہ ۳۳ رعلماء کا اجتماع منعقد ہوا جس میں اس رپورٹ پر تمام مکاتب فکر کے علماء کی طرف سے متفقہ ترمیمات مرتب کر کے شائع کی گئیں۔ آخر کار ۱۹۵۴ء کے دستوری مسودے میں بورڈ تعلیمات اسلامیہ کی بیشتر سفارشات منظور کر لی گئی تھیں، لیکن گورنر جنرل غلام محمد نے دستور ساز اسمبلی کو توڑ کر معاملہ پھر صفر تک پہنچا دیا، اور نئے دستور کی تیاری کے دوران سیکولر حلقوں کے ساتھ مقابلہ دوبارہ شروع ہو گیا۔

ان کی طرف سے ایک پروپیگنڈا یہ کیا جا رہا تھا کہ اسلام پر عمل کرنا یا نہ کرنا انسان کا انفرادی معاملہ ہے۔ اس میں ریاست کو بحیثیت ریاست کوئی دخل نہیں دینا چاہئے، اور اس کی تائید میں یہاں تک کہا گیا کہ قرآن کریم میں ملکی دستور کے بارے میں کوئی ہدایت نہیں دی گئی ہے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں ایک مفصل رسالہ "دستور قرآنی" کے نام سے تحریر فرمایا جس میں قرآن کریم کی وہ آیات مفصل تشریح کے ساتھ جمع فرمائیں جن میں ملکی نظام کے بارے میں واضح ہدایات عطا فرمائی گئی ہیں۔ پھر ایک

پروپیگنڈا یہ تھا کہ اگر ریاست کو اسلامی بنایا گیا، تو اس میں غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔ حضرت والد صاحب قدس سرہ نے اس کے جواب میں ایک رسالہ "اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق" کے نام سے تحریر فرمایا۔ ان رسالوں کا انگریزی ترجمہ بھی ہوا، اور پھر یہ رسالے ہزاروں کی تعداد میں شائع کر کے انہیں اسمبلی کے ارکان اور عمائد حکومت کو بھیجا گیا اور ان سے ارکان اسمبلی کی ذہن سازی میں بڑی مدد ملی۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے تقسیم ہند سے پہلے پاکستان کی تحریک میں علماء کی جدوجہد کو منظم کرنے کے لئے جمعیت علماء اسلام قائم فرمائی تھی، جس نے تحریک میں جان ڈال کر حصول پاکستان میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ پاکستان بننے کے بعد یہاں اسلامی دستور و قانون نافذ کرنے کے لئے یہ جمعیت حضرتؒ ہی کی سربراہی میں قائم رہی۔ ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اُس کے صدر قرار پائے، اور اُن کی وفات کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہم۔ حضرت والد صاحبؒ بیشتر اوقات جمعیت کے نائب صدر کے طور پر کام کرتے رہے، پھر حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ضعف اور معذوری کی وجہ سے حضرت والد صاحبؒ کو جمعیت کا قائم مقام صدر بنا دیا گیا۔ اُس وقت چونکہ ملک مغربی اور مشرقی حصوں پر مشتمل تھا، اس لئے مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) میں جمعیت کی صوبائی تنظیم حضرت مولانا اطہر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سربراہی میں کام کرتی رہی۔ جمعیت کے تحت دستوری جدوجہد کی ایک لمبی تاریخ ہے جس کا یہ موقع نہیں ہے، لیکن خلاصہ یہ ہے کہ جمعیت نے اپنے محدود وسائل کے تحت تحریر و تقریر، ارباب اقتدار اور دستور ساز اسمبلی سے مذاکرات اور عوامی جلسوں کے ذریعے دستور پاکستان کو اسلامی بنانے، اور ملک میں دینی شعائر کو فروغ دینے کے لئے اپنی جدوجہد مسلسل جاری رکھی، البتہ جمعیت کی ضلعی بنیادوں پر تنظیم کمزور تھی، اور بعض جگہوں پر تنظیمی اختلاف بھی تھا۔ حضرت والد صاحبؒ کو جمعیت کی قیادت سنبھالنے کے بعد اندرونی تنظیم کو منضبط اور فعال بنانے کی بھی فکر تھی۔ ۱۹۵۵ء کے آخر میں آپ نے مغربی اور مشرقی پاکستان کا ایک دورہ کرنے کا پروگرام بنایا۔ جس میں جمعیت کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا محمد متین خطیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ساتھ تھے۔ دورے کے دو بنیادی مقصد تھے۔ ایک یہ کہ دستور پاکستان کی تیاری آخری مراحل میں تھی۔ اُس کو اسلامی بنانے کے لئے رائے عامہ کو ہموار کیا جائے، اور اس سلسلے میں لادینی طاقتوں کا علمی اور عوامی سطح پر مقابلہ کیا جائے۔ دوسرا مقصد یہ تھا

کہ مختلف شہروں میں جمعیت کی شاخیں قائم کر کے انہیں متحد اور منظم کیا جائے ۔

حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ پنجاب اور سرحد کا دستوری دورہ

میں اس موقع پر اپنی والدہ صاحبہ (رحمہا اللہ تعالیٰ) کے ساتھ ہندوستان سے واپس آکر لاہور ہی میں تھا، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمد متین خطیب صاحبؒ اور برادر مکرم حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم کے ساتھ سندھ اور پنجاب کے مختلف شہروں کا دورہ کرتے ہوئے لاہور تشریف لائے ۔ یہاں سے جہلم، راولپنڈی، اکوڑہ خٹک، پشاور، مردان اور پھر واپسی میں سرگودھا، فیصل آباد (جو اُس وقت لائلپور کہلاتا تھا) اور شیخوپورہ جانے کا پروگرام تھا ۔ میرا دل چاہا کہ میں بھی اس سفر میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ چلوں ۔ چنانچہ حضرتؒ کی اجازت سے ۲۳؍دسمبر ۱۹۵۵ء کو میں بھی ساتھ ہولیا ۔ لاہور سے آگے کسی شہر جانے کا یہ پہلا موقع تھا، اور اپنے ملک کے اس حصے کو دیکھنے کا بڑا شوق ۔ دسمبر ۱۹۵۵ء کا آخر تھا، اس لئے سردی بڑی شدید تھی ۔ لاہور سے ریل کے ذریعے جہلم پہنچے جہاں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ نے عظیم الشان جلسے کا اہتمام کیا ہوا تھا ۔ جمعہ کے بعد عظیم الشان جلسہ ہوا جس سے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خطاب فرمایا، اور شام کو جمعیت کی ایک میٹنگ ہوئی ۔ میں عمر کے تیرھویں سال میں داخل ہوا تھا، اور جلسے اور میٹنگ سے زیادہ سیر سپاٹے سے دلچسپی تھی، چنانچہ رات گذار کر فجر کے بعد حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا درس قرآن تھا، لیکن ہم حضرت خطیب صاحبؒ کے ساتھ دریائے جہلم کی سیر کیلئے گئے ۔ اُس وقت دریا میں لکڑی کے بڑے بڑے شہتیر پڑے ہوئے تھے ۔ ہمارے میزبانوں نے بتایا کہ یہ شہتیر کشمیر کے جنگلوں سے درخت کاٹ کر حاصل کئے گئے ہیں ۔ شہتیروں کے تاجر وہاں سے درخت کاٹ کر یہ شہتیر دریا میں ڈال دیتے ہیں، اور وہ بہ بہ کر یہاں پہنچ جاتے ہیں ۔ ان پر نام اور نمبر لکھا ہوا ہوتا ہے، اور یہاں وہ جس کے پاس بھیجے جاتے ہیں، وہ اُسے اٹھالیتا ہے ۔ کسی دریا سے افق پر طلوع آفتاب کا منظر جو پہلی بار وہاں دیکھا تھا آج بھی ذہن میں تازہ ہے ۔

جہلم سے ۲۴؍دسمبر کو بس کے ذریعے راولپنڈی روانہ ہوئے ۔ اُس روز محلہ ورکشاپی کی مسجد میں حضرت مولانا عبدالحنان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دن کے وقت جلسے کا اہتمام کیا ہوا تھا، اور رات کو حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جن کی اُس وقت پہلی بار زیارت ہوئی ۔ رات کا جلسہ بڑا عظیم الشان تھا، اور

سخت سردی کے باوجود لوگ جم کر تقریریں سنتے رہے۔ آخر میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خطاب فرمایا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کڑاکے کی سردی میں حد نظر تک پھیلے ہوئے انسان بیک وقت اسلامی دستور کیلئے انتہائی جوش وخروش کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

اگلی منزل اکوڑہ خٹک تھی۔ راولپنڈی سے ۲۵؍ دسمبر کو ہم نے کار کے ذریعے سفر کیا۔ جب کار دریائے اٹک پر پہنچی، تو وہاں شاید کسی ریل کے گذرنے کی وجہ سے راستہ بند تھا، اس لئے کچھ دیر انتظار کرنا پڑا۔ یہاں انتہائی دلفریب منظر سامنے تھا۔ ایک طرف دریائے اٹک اور دریائے کابل کا سنگھم نظر آ رہا تھا، اور اس کے دونوں طرف سرسبز پہاڑ۔ ایسا منظر میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس موقع پر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ سنایا کہ پاکستان بننے سے پہلے جب ہم نے حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ صوبہ سرحد (موجودہ خیبر پختونخوا) کا دورہ کیا تھا، تو اُس وقت بھی ہماری گاڑی یہاں آ کر رک گئی تھی اور سامنے جو حسین منظر تھا، اُسے دیکھ کر حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب نکتہ بیان فرمایا تھا۔ انہوں نے اس منظر کو دیکھ کر فرمایا کہ کیا تمہیں اس منظر میں کوئی ترتیب نظر آتی ہے؟ دیکھو نہ دریا ایک سیدھ میں بَہہ رہا ہے نہ ان پہاڑوں کے نشیب وفراز میں کوئی ترتیب نظر آتی ہے، دریا بل کھاتا ہوا بَہہ رہا ہے۔ کوئی پہاڑ اونچا اور کوئی نیچا ہے۔ اس پر اُگنے والے درخت بھی ایک لائن میں نہیں ہیں، بلکہ کوئی درخت سیدھا ہے، کوئی خم کھائے ہوئے ہے۔ لیکن اس منظر کا مجموعی حسن ایسا ہے کہ بار بار دیکھنے کو دل چاہتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا حسن ہی بے ترتیبی میں ہے اگر اس میں ربط اور ترتیب پیدا کرنے کی کوشش کی جائیگی تو اس منظر کی بے ساختگی اور اس کا فطری حسن مصنوعی بن کر اپنی دلکشی کھو بیٹھے گا۔

پھر فرمایا کہ لوگ قرآن کریم کی آیات میں زبردستی ربط تلاش کرنے کی کوشش میں بعض اوقات بیجا تکلف سے کام لیتے ہیں، حالانکہ اس کے بے ساختہ حسن کو محسوس کرنے کیلئے کسی ربط وترتیب کو بہ تکلف تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

دن کے بارہ بجے ہم اکوڑہ خٹک پہنچے، اور اُس روز کی ڈائری میں میرے یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں:

"۱۲ بجے اکوڑہ پہنچے۔ بہت بڑا جلوس لینے آیا تھا۔ "قانون قرآن زندہ باد"، "مفتی محمد شفیع زندہ باد"، "مفتیٔ اعظم زندہ باد" کے نعروں سے فضا گونج اٹھی، اور دو لڑکے بڑی شیریں آواز میں عربی ترانہ پڑھ رہے تھے۔"

یہاں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم حقانیہ کے ذریعے اپنا فیض جاری فرمایا ہوا تھا۔ حضرتؒ ہی کے مدرسے میں قیام ہوا۔ اُس وقت حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہم (۱) بھی مدرسے میں زیر تعلیم تھے، ان سے پہلی ملاقات اسی موقع پر ان کے ایک ناقابل فراموش احسان کے ذریعے ہوئی۔ وہ اس طرح کہ اکوڑہ خٹک اُس وقت "حسن بداوت" (دیہاتی حسن) کا ایک نمونہ تھا، حضرتؒ کے جس مکان میں ہمارا قیام ہوا، وہ گارے کا بنا ہوا کچا مکان تھا۔ اُس وقت یہاں قدیم عرب کی وہی روایت چلی آتی تھی کہ گھروں میں بیت الخلا بنانا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ ہمیں اُس وقت تک "بداوت" کے اس "حسن غیر مجلوب" (۲) کا کبھی تجربہ نہیں ہوا تھا۔ زبردست سردی کی ٹھٹھری ہوئی رات میں مجھے بیت الخلا کی ضرورت پیش آئی، تو اپنی عمر سے قریب جو نوجوان نظر آئے، وہ مولانا سمیع الحق صاحب ہی تھے۔ کم عمری کی وجہ سے اپنی اس ضرورت کا اظہار کرتے ہوئے شرم بھی آرہی تھی، لیکن طبیعت ان تکلفات کی متحمل نہیں تھی، میں نے ان سے بیساختہ اپنی ضرورت کا اظہار کردیا۔ ان کے چہرے پر کچھ دیر کے لئے تأمل کے کچھ آثار نظر آئے، لیکن فوراً ہی انہوں نے مجھ سے اپنے پیچھے آنے کو فرمایا، اور پھر وہ مجھے اندھیری رات میں ہاتھ پکڑ کر گلی سے گذرتے ہوئے ایک مکان کی چھت پر لے گئے اور ایک چھوٹے سے کمرے کی طرف اشارہ کرکے میری مشکل آسان کی۔ اگرچہ کچھ اندازہ یہ ہورہا تھا کہ یہاں میرا یہ عمل **وضع الشیء فی غیر محلہ** (۳) کی قباحت سے خالی نہیں ہے، لیکن ان باریکیوں میں جانے کا موقع نہیں تھا، اس لئے میں نے بھی تکلف نہیں کیا۔

یہاں آتے ہوئے تو بات کرنے کا موقع نہیں تھا، لیکن ان کا احسان مند ہونے کے بعد واپسی میں اُن سے تعارف ہوا اور پھر ایسا تعارف ہوا کہ وہ دوستی میں تبدیل ہوگیا جس کا ذکر ان شاء اللہ آگے کہیں آئے گا۔

اکوڑہ خٹک ہی میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ (جنہیں حضرت حکیم الامتؒ "کامل پورے" فرمایا کرتے تھے،) شیخ الحدیث تھے۔ ہمارے محبوب استاذ حضرت مولانا سحبان محمود

---

(۱) افسوس کہ آج جب یہ روداد چھپ رہی ہے تو انہیں مدظلہم کے بجائے رحمۃ اللہ علیہ لکھنا پڑ رہا ہے۔

(۲) بداوت کے معنی ہیں "دیہاتی انداز" اور "حسن غیر مجلوب" سے متنبی کے اس شعر کی طرف اشارہ ہے جس میں اُس نے کہا ہے کہ:

حسن الحضارة مجلوب بتطرية وفي البداوة حسن غير مجلوب

(۳) اس کے معنی ہیں "کسی چیز کا بیجا استعمال"، اور عام طور پر یہ اصطلاح "ظلم" کی تعریف کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔

صاحب رحمۃ اللہ علیہ اُن کے شاگرد تھے، اور ان کی زبان سے حضرتؒ کا محبوبانہ تذکرہ نہ جانے کتنی بار سن کر ان کی زیارت کا اشتیاق تھا۔ الحمد للہ یہ اشتیاق وہیں پورا ہوا۔ حضرتؒ کے نورانی پیکر کی یہ پہلی اور آخری زیارت تھی۔ میں نے حضرتؒ سے ذکر کیا کہ ہمارے محبوب استاذ حضرت مولانا سحبان محمود صاحب ہیں، جو آپ کے شاگرد ہیں، اور اس طرح میں آپ کا بالواسطہ شاگرد ہوں۔ حضرتؒ مسکرائے اور بڑی شفقت کا معاملہ فرمایا۔

اگلے دن صبح نو بجے اکوڑہ خٹک سے ہم نوشہرہ پہنچے جہاں ایک بڑا مجمع استقبال کے لئے جمع تھا، اور "مفتیٔ اعظم زندہ باد" اور "ناظم اعلیٰ زندہ باد" کے نعروں سے ماحول گونج رہا تھا۔ صرف تین گھنٹے کے قیام کے دوران جامع مسجد نوشہرہ میں بڑا جلسہ ہوا، اور ظہر کے بعد مردان کیلئے روانہ ہوئے، اور مسجد پیراں کے قریب قیام ہوا۔ عصر کے بعد مولانا مدرار اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے گنج بازار میں جمعیت کی میٹنگ کا انتظام کیا ہوا تھا۔ اور رات کو مسجد پیراں میں جلسہ ہوا۔ اور ۲۷ر دسمبر کی صبح حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مسجد میں درس قرآن دیا۔ اور اسی شام چار بجے چارسدہ سے ہوتے ہوئے پشاور پہنچے۔ رات کو قصہ خوانی بازار کی ایک مسجد میں جلسہ تھا جو دوسرے جلسوں کی طرح بھرپور تھا۔

یہ میرا صوبۂ سرحد (موجودہ خیبر پختونخوا) دیکھنے کا پہلا موقع تھا، اور اُس کی اتنی بات یاد ہے کہ ہر کھانے کے بعد سرخ سرخ مالٹوں کا دور چلا کرتا تھا، اور اس کے بعد یہاں کا مشہور "کاوا" یعنی سبز چائے بھاری سے بھاری کھانے کو ایسا ہضم کردیتی تھی کہ تھوڑی دیر میں پھر بھوک لگنے لگتی تھی۔

پشاور سے ۲۸ر دسمبر کو بس کے ذریعے ہٹیاں روانہ ہوئے۔ حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وطن "دریا خان" لیجانے کا پروگرام بنایا ہوا تھا۔ چنانچہ ھٹیاں سے تانگے کے ذریعے "دریا خان" پہنچے جہاں نماز ظہر ادا کی اور حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ضیافت سے لطف اندوز ہوئے۔ اُس کے بعد تانگے ہی کے ذریعے حضرو پہنچے جہاں حضرت مولانا نصیر الدین صاحب غور غشتی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی، اور ایک کامیاب جلسے کے بعد وہیں سے بس کے ذریعے کیمبل پور (موجودہ اٹک) روانہ ہوئے جہاں عشاء کے بعد جلسے سے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خطاب فرمایا، اور اُس کے بعد ریلوے اسٹیشن پہنچ کر سرگودھا جانے کیلئے ریل میں سوار ہوئے، حضرت مولانا عبد الحنان صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو پورے سفر میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھے، راستے میں راولپنڈی پہنچ کر اتر گئے، اور حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ ریل میں ہماری رات گذری۔ صبح اندھیرے ریل حسن وال

کے اسٹیشن پر پہنچی، تو وہاں ایک مجمع حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صرف زیارت کے لئے نہ جانے کب سے منتظر کھڑا تھا، ریل صرف چند منٹ ٹھہری، اور اسی میں محبت کرنے والوں نے اپنا حق محبت ادا کردیا۔ طلوع آفتاب کے وقت ریل سرگودھا پہنچی جہاں حضرت مولانا محمد شفیع صاحب سرگودھوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بڑے مجمع کے ساتھ ریلوے اسٹیشن پر استقبال کیا، اور وہاں بھی بڑا زبردست جلسہ ہوا۔

اگلی صبح ۳۰؍ دسمبر کو اسی ریل سے لائل پور (موجودہ فیصل آباد) روانہ ہوئے، جہاں بہت بڑا مجمع استقبال کے لئے موجود تھا، اور جمعہ گھنٹہ گھر کے قریب ایک مسجد میں پڑھا، جہاں جمعہ کے بعد ایک پُر ہجوم جلسہ تھا، وہاں کا زرعی کالج پہلی بار دیکھا۔ ۳۱ دسمبر کو بس کے ذریعے شیخوپورہ پہنچے، اور ظہر کے بعد جلسہ ہوا، اور اُسی دن شام ۴؍ بجے کے قریب واپس لاہور پہنچے۔ اور یکم جنوری ۱۹۵۶ء کو بس کے ذریعے سیالکوٹ پہنچے جہاں ہمارے پھوپی زاد بھائی مولانا حامد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گھر پر قیام ہوا، اور حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں علماء کرام کے ایک اجتماع سے خطاب فرمایا۔ ۲؍ جنوری کو واپس لاہور پہنچے۔ حضرت والد صاحب اور حضرت مولانا محمد متین خطیب صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ فوراً ہی مشرقی پاکستان کے دورے پر روانہ ہوگئے، اور وہاں بھی اسی طرح کا طوفانی دورہ کیا، لیکن ہمارے اسباق سے کافی غیر حاضری ہوچکی تھی، اس لئے وہاں سے واپس کراچی آکر ہم دوبارہ پڑھنے میں مشغول ہوگئے، یہاں تک کہ تعلیمی سال ختم ہوگیا۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ان طوفانی دوروں کی خبریں اخبارات میں جلی سرخیوں کے ساتھ شائع ہوتی تھیں، اور اس دورے سے دو بڑے فائدے ہوئے۔ ایک تو ملک کا جو دستور تکمیل کے مراحل میں تھا، اور سیکولر حلقے اُسے ایک لادینی دستور بنانے کی فکر میں تھے، ان دوروں کے ذریعے ملک بھر میں ان کے خلاف ایک فضا بنی جس کے نتیجے میں اُن حلقوں کی یہ کوشش پیچھے چلی گئی۔ دوسری طرف ان دوروں کے نتیجے میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جمعیت علماء اسلام کو ضلعی سطح پر فعال بنانے کے لئے جگہ جگہ اس کی شاخیں قائم فرمائیں، اور باہمی اختلافات کو رفع کرکے یکجہتی کا ماحول پیدا کرنے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی۔ (۱)

چنانچہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جمعیت علماء اسلام اور ملک کے دوسرے دینی حلقوں نے دستور پاکستان کے سلسلے میں جو انتھک جدو جہد کی تھی، آخر کار اس میں اس حد تک کامیابی حاصل ہوئی کہ ۱۹۵۶ء

---

(۱) اس سفر کی یہ تفصیلات میری ڈائری سے ماخوذ ہیں۔

کے دستور میں متعدد اسلامی دفعات شامل ہوئیں جن کی وجہ سے اس لابی کو شکست فاش ہوئی جو ملک کا دستور لادینی بنیاد پر بنانا چاہتی تھی، اور ملک سیکولر بننے کے خطرے سے بچ گیا۔ چنانچہ اس دستور کے نفاذ کے لئے ۲۳/ مارچ ۱۹۵۶ء کی تاریخ مقرر کی گئی۔ یہ وہی تاریخ تھی جس میں ۱۹۴۰ء کی قرارداد پاکستان منظور کی گئی تھی۔ اس تاریخ کو ملک بھر میں "یوم جمہوریہ" منایا گیا، اور ملک کے ریاستی سربراہ کو گورنر جنرل کے بجائے پہلی بار صدر مملکت کہا گیا، اور اگر یہ کہا جائے، تو بیجا نہیں ہوگا کہ ملک کو مکمل آزادی اُس روز حاصل ہوئی۔ اس لئے اس دن پورے ملک میں ایک جشن کا سا سماں تھا۔ دارالعلوم کے طلبہ تقریر کی مشق کے لئے جو ہفتہ وار اجتماع منعقد کیا کرتے تھے، اس روز اس کا موضوع یہی تھا۔ اور اس موقع پر میں نے بھی ایک ٹوٹی پھوٹی نظم کہی تھی جو اس اجتماع میں پڑھی گئی۔